اسلام میں عورتوں کے دستوری حقوق

ذکی الرحمن فلاحی مدنی 20/07/2016

کمیت و کیفیت کے اعتبار سے عورت انسانیت کا نصف حصہ ہوتی ہے۔ آنے والی نسلوں اور قوموں کے درخشاں مستقبل کی پرورش و پرداخت اسی کے آنچل اور گود کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ملکی واجتماعی تعمیر وترقی میں بھی اس کے مثبت رول سے انکار ناممکن ہے۔ عورت کی ان حیثیتوں کی رعایت وحفاظت کا جس قدر اہتمام اسلامی شریعت یا اسلامی نظام نے روا رکھا ہے وہ تہذیبوں اور ادیان کی تاریخ میں بے مثال ہے۔ اور اب تو اس موضوع پر اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ علمی، عقلی اور تاریخی اعتبار سے اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم مسئلہ کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلم خواتین میں اپنے شرعی ودستوری حقوق سے لاعلمی کی صورتحال انتہائی حدتک سنگین ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم خواتین کو ان کے شرعی ودستوری حقوق سے روشناس کرایا جائے اور شریعتِ اسلامیہ نے ان کے ساتھ جو عدل ورحمت اور مساوات ومودت کا معاملہ فرمایا ہے اسے اجاگر کیا جائے۔

عورت اپنے دستوری حقوق میں مرد کے ہم پلہ ومساوی ہے۔ کچھ شرعی اختلافات (جو مبنی بر فطرت وحکمت ہیں) کے علاوہ دونوں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے۔ وہ مدعی ومدعی علیہ، بائع ومشتری، راہن ومرتہن، اوقاف کی ذمہ دار، ورثہ کی ولی اور یتیموں کی وصی وسرپرست وغیرہ بننے کا کامل اختیار رکھتی ہے۔

ہندوستانی معاشرہ میں جہاں شرعی عدالتوں کے قیام اور ان سے استفتاء واستفادہ کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، مسلم خواتین کے لیے ایک مفصل گائیڈ بک کی ضرورت ہے جس کی روشنی میں وہ اپنے شرعی حقوق سے واقف ہو سکیں اور نقضِ حقوق کی صورت میں اپنے مقدمات کی پیروی اور مرافعہ کا صحیح اسلامی طریقہ جان سکیں۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی عظیم الشان ضرورت کی ہلکی سی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللّٰھم وفّقنا لما تحبہ وترضاہ۔

اسلامی شریعت میں عورت کی حفاظت اور اس کے حقوق کی پاسداری

اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں عورت کو ناقص الخلقت خیال کیا جاتا تھا۔ وہ تمام حقوق اور رعایتوں سے محروم، خالصتاً مرد کی ملکیت ہوتی تھی جس کو وہ جیسے چاہے استعمال کرتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد وہ عام جائداد و سامانِ زیست کی طرح دوسرے ورثہ کی ملکیت میں آجاتی تھی۔ عورت کا عورت ہونا ہی ایک ناقابل معافی جرم تھا جس کے لیے بسا اوقات اس کو بے خطا زندہ در گور کر دیا جاتا تھا۔

معلوم تاریخ میں پہلی بار اسلام نے عورت کو مکرّم و باعزت قرار دیا اور اس کے حقوق بیان کر کے ان کو شرعی و دستوری حیثیت بخشی۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر متعدد احکام و مسائل میں اس کو مرد پر فوقیت دی۔ قرآن و حدیث میں بیشمار مقامات پر عورت کی پرورش و نگہداشت کی فضیلت، اس کے حقوق کی پاسداری، شرعی تکالیف اور ثواب و جزا میں مرد سے اس کی مساوات کا تذکرہ اور ہدایات موجود ہیں۔ ارشادِ باری ہے: (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ)(النحل 97)۔ "جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔" اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: عورتوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو۔" [استوصوا بالنساء خیراً] (صحیح بخاریؒ: 3331۔ صحیح مسلمؒ: 3720۔ سنن ابن ماجہؒ: 1851)

اس طرح سے اسلام نے عورت کی تکریم کرتے ہوئے بزمِ حیات میں اس کا درجہ بلند کیا ہے۔ اس کی فطری خواہشوں اور تقاضوں کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے حقوق و واجبات کا تعین کیا ہے۔ نیز اس کو اس بات کا بھی مکمل اختیار دیا کہ وہ اپنے حقوق کی پامالی پر احتجاج و مرافعہ کر سکے اور اسلامی عدالتیں یا شرعی دار القضاء اس کے پابند قرار دیئے گئے ہیں کہ بلا کسی تفریق و امتیاز کے اس کے مسائل کا شرعی حل بیان کریں۔ اسلام میں عورت کی حفاظت اور اس کے حقوق کی پاسداری کے لیے جو عظیم الشان اقدامات کئے گئے ہیں ان میں سے چند کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

(1) نفقہ کا وجوب :

عورت کے حقوق میں سرِ فہرست شوہر پر نفقہ (خرچہ) کا حق ہے، اور یہ حق اس صورت میں بھی باقی رہتا ہے جبکہ بیوی شوہر سے زیادہ مالدار ہو۔ ارشادِ باری ہے: (لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ) (طلاق، 7) ''خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔''

لہٰذا اگر عورت حصارِ زوجیت میں ہو اور حقوقِ زوجیت ادا کر رہی ہو تو شوہر پر ہر حال میں اس کے جائز اخراجات کا اٹھانا لازم ہے۔ علامہ ابنِ قدامہؒ لکھتے ہیں: تمام اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بالغ شوہر پر بیوی کا نفقہ اٹھانا واجب ہے، یہی قول ابن المنذرؒ وغیرہ کا ہے۔ (المغنی: 23/9) علامہ ابنِ حجرؒ نے بھی اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے (فتح الباری: 625/9)۔ اسی طرح جمہور علماء (مالکیہؒ، شافعیہؒ، حنابلہؒ) کے نزدیک اگر شوہر بیوی کے نفقہ میں کوتاہی یا تنگ دستی کا مظاہرہ کرے تو بیوی کو فسخِ نکاح کے مطالبے کا شرعی حق حاصل ہو جاتا ہے۔ علامہ ابنِ قدامہؒ کہتے ہیں: اگر شوہر مکمل یا تھوڑا نفقہ بھی نہ اٹھا سکے تو بیوی کو نکاح کے فسخ وعدمِ فسخ کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، البتہ عدمِ فسخ کی صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر قرض مانا جائے گا جس کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور جس شوہر کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مطلقاً نفقہ اٹھانے کے قابل نہیں رہا ہے تو اس کی بیوی کو بغیر کسی مہلت اور انتظار کے فسخِ نکاح کے مطالبے کا حق ہو جاتا ہے۔ (المغنی: 9/263)

(2) ظلم وایذارسانی کی ممانعت:

قرآن وسنت میں بکثرت ایسی نصوص موجود ہیں جو عورت کی مادی ومعنوی ایذارسانی کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتی ہیں۔ فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے: ''اللہ کی بندیوں کو مت مارو۔'' [لا تضربوا اماء اللہ] (سنن ابوداؤدؒ: 2146 مع تصحیح البانیؒ۔ سنن ابن ماجہؒ: 1985)۔ حضرت ام کلثوم بنتِ ابوبکرؓ روایت کرتی ہیں: لوگوں کو عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے روک دیا گیا، لوگوں نے آپ ﷺ سے عورتوں کی شکایت کی تو آپ ﷺ غیر جانبدار ہو گئے، پھر فرمایا: تمہارے بہترین افراد ایسا نہیں کریں گے۔'' [کان الرجال نھوا عن ضرب النساء، ثمّ شکوھنّ الی رسول اللہ ﷺ فخلّی بینھم وبین ضربھن، ثمّ قال: ولن یضرب خیارکم] (سنن بیہقیؒ: 4629۔ مستدرک حاکمؒ: 2775۔ مصنف ابن ابی شیبہؒ: 25967)۔

بہت سے لوگ قرآن کریم کی آیت: (وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا) (النساء، 34) سے عورتوں کو زود وکوب کرنے کی کھلی اجازت مراد لیتے ہیں، حالانکہ یہ صراحتاً غلط ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو اور یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔ ''

اس آیت میں نافرمان اور سرکش (ناشزہ) عورتیں مراد ہیں یعنی وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے حقوق زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہوں۔ اور پھر ربِ کریم نے ان کی اصلاح کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں طاقت کا استعمال بالکل آخری علاج کے طور پر ذکر کیا ہے۔ مزید برآں یہاں مارنے کی مطلق اجازت بھی نہیں، بلکہ شریعت نے ہاتھ اٹھانے کی کچھ حدیں مقرر کی ہیں مثلاً: اس کے سود مند ہونے کا یقین یا گمان غالب ہو، ضرب ایسی ہو کہ اس کا اثر جسم پر باقی نہ رہے، چہرہ یا جسم کی حساس جگہوں سے اجتناب کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابن عباسؓ نے ضربِ غیر مبرح کی تشریح مسواک یا اس جیسی چیز کی مار سے کی ہے۔ (صحیح مسلمؒ: 3009) یہ بات بخوبی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اس قسم کی ضرب کا استعمال کوئی قابل تعریف یا مستحب عمل نہیں ہے، بلکہ صرف مباح ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے سامنے خیر البشر ﷺ کا عملی نمونہ اور زبانی ہدایتیں موجود ہیں جو اس کے برعکس گواہی دیتی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد پیچھے گزر چکا ہے جس میں آپ ﷺ نے بہترین اہلِ ایمان سے اس طرح کے عمل کا صدور مستبعد بتایا ہے، اور آپ ﷺ کا عملی اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے تاحیات کبھی ازواجِ مطہراتؓ پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: آپ ﷺ نے کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا، البتہ اللہ کی راہ میں آپ ﷺ جہاد فرماتے تھے۔'' [ماضرب رسول اللہ ﷺ قط بیدہ ولا امرأۃ ولا خادماً الّا أن یجاھد في سبیل اللہ'] (صحیح مسلمؒ: 6195۔ سنن ابن ماجہؒ: 1984۔ مسند احمدؒ: 24080)

(3) حسنِ معاشرت کی تاکید:

ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہلِ خانہ کے لیے ایسا ہی ہوں۔" [خیر کم خیر کم لأھله وأنا خیر کم لأھلی] (سنن ترمذیؒ: 3895۔ سنن ابن ماجہؒ: 1977)۔

حضرت عمرو بن الاحوصؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں: خبردار! عورتوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرو، یہ عورتیں تمہارے پاس امانتاً دے ئے ہوئے قیدیوں کی طرح ہیں، علاوہ ازیں تمہاری ان پر کوئی ملکیت نہیں۔ البتہ اگر وہ کھلی برائی کا ارتکاب کریں تب تم اپنے بستر ان سے الگ کر لو، اور ان کو ایسا مار و جو شدید نہ ہو۔ لیکن اگر ان کا رویہ اطاعت گزاری کا ہو تو ان پر راہیں نہ تلاش کرو۔" [ألاا استوصوا بالنساء خیراً، فانما ھنّ عوان عندکم لیس تملکون منھنّ شےئاً غیر ذالک، الاّ أن ےأتین بفاحشۃٍ مبیّنۃٍ فان فعلن فاھجروھنّ فی المضاجع واضربوھنّ ضرباً غیر مبرّح، فان أطعنکم فلا تبغوا علیھنّ سبیلًا] (مسند احمدؒ: 20714۔ سنن ترمذیؒ: 1163۔ سنن ابن ماجہؒ: 1851)

اس سلسلے کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: کامل ایمان ان کا ہے جن کے اخلاق بہترین ہوں، اور تم میں افضل وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ خوش اخلاق ہوں۔" [أکمل المؤمنین ایماناً أحسنھم خلقاً، وخیارکم خیارکم لنساء ھم خلقا] (سنن ابن ماجہؒ: 1978۔ مسند احمدؒ: 10110۔ سنن ابوداودؒ: 4682۔ سنن ترمذیؒ: 1162 مع تصحیحِ البانیؒ)ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجین کا ایک دوسرے کے ساتھ خوش اخلاقی، نرم خوئی اور تحمل و بردباری سے پیش آنا مسنون ہے۔ اس کے علاوہ مختلف قرآنی آیات میں بھی اس بات کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً وَّبِذِیْ الْقُرْبَیٰ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبَیٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ) (النساء36)۔ "ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی سے احسان کا معاملہ رکھو۔" متعدد مفسرین نے آیت میں مذکور " صاحب بالجنب " یعنی پہلو کے ساتھی سے مراد زوجین کو لیا ہے۔ مزید ارشادِ باری ہے: (وَعَاشِرُوھُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) (النساء19) "ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔" اس آیت میں صراحت کے ساتھ عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا حکم دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے کس درجہ عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے حتیٰ کہ اس کو کمالِ ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ اسلامی شریعت میں عورت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کی بد سلوکی و بد اخلاقی پر نہ صرف احتجاج کر سکتی ہے، بلکہ اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سلسلے میں دار القضاء کا دروازہ بھی کھٹکھٹا سکتی ہے۔

:مالی تصرفات اور مادی حقوق کا اجراء (4)

عورت کو اپنی ملکیت میں جملہ جائز تصرفات کا حق حاصل ہے۔ خرید و فروخت، تجارت، ہبہ، وقف، وصیت، قرض کا لین دین وغیرہ تصرفات میں وہ خود کفیل ہے اور شوہر، باپ، بھائی وغیرہ کی رضامندی کی محتاج نہیں ہے۔ بے شمار شرعی نصوص میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ)(المائدہ 5) ''بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو۔'' یعنی مہر کی پوری ملکیت کا حق عورت کو حاصل ہے۔ عہدِ جاہلیت میں ہوتا یہ تھا کہ عورت کی مہر کو اس کے ولی کا حق خیال کیا جاتا تھا، جیسا کہ ہمارے زمانے میں خدا کے خوف سے عاری شوہر حضرات اس کو اپنے ذمہ واجب الاداء نہیں سمجھتے ہیں۔

اسلامی شریعت نے مہر کو صرف اور صرف بیوی کا حق بتایا ہے جو شوہر کے ذمہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں صراحت کے ساتھ مہر کو عورت کا حق قرار دیا ہے۔ مشہور مفسر حضرت عبد الرحمٰن سعدی لکھتے ہیں: آیت میں اُجور (مہر) کی اضافت صاف صاف عورتوں کی طرف کی گئی ہے جس کا سیدھا مطلب ہے کہ عورت مکمل مہر کی مالک ہوتی ہے، کسی اور کے لیے خواہ وہ شوہر ہو یا ولی، اس کی اجازت و رضامندی کے بغیر مہر کا تھوڑا حصہ لینا بھی حرام ہے۔ (تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنّان: ص 222)

آیتِ میراث میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ)(النساء 12) ''جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔'' اس آیتِ کریمہ میں بھی اس بات کی ضمناً تصریح کر دی گئی ہے کہ عورت کو وصیت و قرض جیسے مالی تصرفات کی مکمل آزادی ہے اور ان تصرفات میں وہ مرد کے مساوی ہے۔ حضرت بریرہؓ کے قصے میں بھی آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو خریدنے اور آزاد کرنے کا اختیار دیا تھا۔ [اشتری واعتقی فان الولاء لمن اعتق] (صحیح بخاریؒ: 456۔

صحیح مسلمؒ:3850۔ مؤطامالکؒ:1170) علامہ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں: عاقل و بالغ عورت بذاتِ خود بیع وغیرہ کر سکتی ہے، اس میں شادی شدہ و غیر شادی شدہ کی کوئی قید نہیں، نیز شوہر یا ولی کی اجازت کی بھی اس سلسلے میں چنداں ضرورت نہیں۔ (فتح الباری:5/241)۔

یہاں ایک اہم بات کی وضاحت بھی از حد ضروری ہے، عموماً عورتیں اپنے شوہر یا اولیاء حضرات کے ساتھ مل کر تجارت، گھر کی تعمیر یا کسی قرابت دار کو قرض دینے میں اپنا مال لگا دیتی ہیں۔ اس عمل میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی کسی مالی مشارکت میں گواہوں اور توثیقی دستاویزات کی تیاری کو اکثر حالات میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جو کہ سراسر غلط ہے۔ بلکہ بسا اوقات عورت کی جانب سے ایسی کسی تجویز یا یاد دہانی کو زر پرستی، کم ظرفی اور بے وفائی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا کتابتِ دین کے شرعی حکم کی کھلی مخالفت ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: (یَا اَیُّھَاالذِینَ آمَنُوا اِذَا تَدَاینتُم بِدَینٍ اِلَی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکتُبُوہُ)(البقرہ،282) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقرر مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔" اس حکمِ شرعی کی مخالفت کا بڑا نقصان عورتوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ عام طور پر ازدواجی تعلقات میں ذرا کشیدگی پیدا ہوتے ہی اس قسم کی کسی بھی مالی مشارکت یا تجارت سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ کی یہ صورتحال خطرناک حد تک ہمارے معاشرے میں موجود ہے اس لیے اس پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

(5) متعدد مسائل میں مردوں پر فوقیت:

اسلامی شریعت نے بہت سارے مسائل میں عورت کی رائے اور اس کی گواہی کو قولِ فیصل کا درجہ دیا ہے۔ یہ کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ اسلام نے عورت کی فطرت، اس کے تشخص اور طبعی حقوق کی حفاظت کا جو اہتمام کیا ہے، وہ اس لیے ہے کہ اسلام بذاتِ خود دینِ فطرت ہے۔ تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں، یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

* صلہ رحمی میں باپ پر ماں کی فضیلت:

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں: ایک آدمی نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر سوال کیا: کون سب سے زیادہ میری صحبت اور خدمت کا مستحق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے کہا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پھر پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ۔" [جاء رجل الی رسول

اللہ ﷺ فقال: من أحق النّاس بحسن صحابتی؟ قال: أمک، قال: ثمّ من؟ قال: ثمّ أمک، قال: ثمّ من؟ قال: ثمّ أمک، قال: ثمّ من؟ قال: ثمّ ابوک] (صحیح بخاریؒ: 5971۔ صحیح مسلمؒ: 6664)

* میراث میں مرد پر فضیلت:

اسلام میں احکامِ میراث کا سرسری مطالعہ واضح کر دیتا ہے کہ متعدد حالتوں میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے زیادہ بنتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت کے حصوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔شریعت میں میراث کی تقسیم دو طرح سے ہوتی ہے:

الف) میراث بالفروض یعنی قرآن و سنت کے معین کردہ حصوں کے مطابق تقسیم۔ترتیب میں بھی پہلے یہی ہے۔)

ب) میراث بالتعصیب یعنی فروض والوں کے بعد رشتہ داروں میں میراث کی تقسیم۔مسائل کے استقراء و تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ) اصحابِ فروض میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے زیادہ ہے۔اور کئی حالتوں میں مرد اصحابِ تعصیب کے مقابلے وہ فروض میں زیادہ بڑے حصہ کی حقدار قرار پاتی ہیں۔

خواتین کی اپنے دستوری حقوق سے ناواقفیت کے اسباب

خانگی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے تنازعات واختلافات کا سرسری جائزہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ خواتین اپنے شرعی دستوری حقوق سے انتہائی حد تک نابلد ہوتی ہیں۔لاتعداد ناانصافیاں اور زیادتیاں ہیں جو بیوی، بہن، بیٹی وغیرہ کی مختلف سطحوں پر عورتوں کے ساتھ روا رکھی جاتی ہیں اور جن کو بغیر ایک حرفِ شکایت برداشت کیا جاتا ہے، حالانکہ اپنے شرعی و دستوری حقوق و اختیارات کی بنیاد پر عورت اس قسم کے حالات میں ایک طاقتور فریق اور مدعی بن سکتی ہے۔صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی میں اس طرح کی بے اعتدالیوں اور زیادتیوں کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن یہ شریعتِ عادلہ کے احکام سے لاعلمی کا خمیازہ ہے جو خواتین کو بھگتنا پڑتا ہے۔خواتین کی اپنے شرعی حقوق سے جہالت کے بہت سے اسباب ہیں، بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

(1) خلافِ شرع عرف وعادت کی پیروی:

معاشرہ میں پھیلے ہوئے جاہلانہ رسوم ورواج اور غیر اسلامی تصورات کی اتباع وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے خواتین اپنے جائز حقوق سے محرومی کو نہ صرف یہ کہ قبول کرلیتی ہیں، بلکہ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی ان کے دوبارہ حصول کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ ہندوستانی خواتین کے ذہن ودماغ کی گہرائیوں میں یہ واہمہ جاگزیں ہے کہ جن جاہلی عادات واطوار کو وہ بچپن سے جاری وساری دیکھتی آئی ہیں، وہ اگرچہ خلافِ شریعت ہیں لیکن اٹل اور ناقابلِ تبدیل ہیں اور کسی کو ان کی پیروی سے مفر نہیں۔ ہندوستانی معاشرہ میں منتشر غیر اسلامی رسوم وعادات میں سرِ فہرست عورتوں کو وراثت سے محروم رکھنا اور ان کو ان کا شرعی حقِ میراث نہ دینا ہے۔ یہ شریعت کی کھلی مخالفت اور نصِ قرآنی کی صریح حکم عدولی ہے۔

ہمارے سماج میں ایک غیر اسلامی رسم یہ عام ہے کہ والدین یا اولیاء حضرات، لڑکی کی اجازت ورضامندی لیے بغیر ہی اس کی شادی جیسا اہم فیصلہ طے کردیتے ہیں۔ اگر لڑکی انکار یا احتجاج کرے تو عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں اول: یا تو زبردستی عقدِ نکاح منعقد کرادیا جاتا ہے، دوم: یا بے حیا، نافرمان وکم ظرف جیسے خطابات سے نواز کر مدتِ دراز تک کے لیے سزا کے طور پر اس کو بے نکاحی رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب خلافِ شریعت اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ ایک مسئلہ ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ لڑکی کو اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھنے نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ یہ عورت کا شرعی وفطری حق ہے کہ وہ اپنے شریکِ حیات کو اعزہ واقارب کی موجودگی میں بالمشافہ دیکھ کر اپنی رضامندی کا اظہار کرے۔ بعض گھرانوں میں لڑکیوں کی شادی بہت تاخیر سے کرنے کا رواج ہے۔ یہ بھی ایک غیر فطری، غیر عقلی اور غیر شرعی رواج ہے جس کا نتیجہ متعدد اخلاقی برائیوں، جسمانی امراض اور جنسی بے راہ روی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ تمام رسوم ورواج جاہلیت کا شاخسانہ ہیں اور خواتین کو حق حاصل ہے کہ ان کے خلاف شرعی دارالقضاء میں استغاثہ کرسکیں۔

(2) معاشرہ میں عورتوں کی کسمپرسی اور مردوں کا تسلط:

ہمارے معاشرے میں آج بھی ایسے دقیانوسی لوگوں کی کمی نہیں جو اپنے اہلِ خانہ پر شدت برتنے، ان کو زدوکوب کرنے اور انہیں ڈرانے سہانے کو اپنی مردانگی کا ثبوت اور کامیاب خانگی زندگی کی ضمانت خیال کرتے ہیں۔ ایسے گھروں کی عورتیں ہمیشہ خوف وہراس کے عالم میں جیتے ہوئے تاعمر اپنے جسم اور روح کے زخموں کو چھپائے رہتی ہیں، کیونکہ ان کے ظالم شوہروں کی سیدھی وارننگ ہوتی ہے کہ اگر یہ اندرونی معاملہ گھر سے باہر کھولا گیا تو ان کو سسرال سے نکال دیا جائے گا اور اولاد کے دیدار تک سے محروم کردیا جائے گا۔

ان عورتوں کولاشعوری طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی دادرسی کے لیے نہ علمائے دین سامنے آئیں گے نہ مردپرست عورت بیزار سماج۔ حالانکہ جس طرح سماج ان ناگفتہ بہ حالات کا ذمہ دار ہے اسی طرح خواتین بھی اپنے شرعی حقوق سے غفلت وجہالت رکھنے کے بسبب اس کے لیے موردِالزام ہیں۔ یہاں اس ضمن میں اپنے مسلمان بھائیوں سے یہی گزارش ہے کہ اللہ کا خوف کھائیں اور اللہ کے رسول ﷺ کی اس دعا کو ہمیشہ یادرکھیں: اے اللہ میں دوکمزوروں کی حق شکنی سے پناہ مانگتا ہوں؛ یتیم اور عورت۔" [اللھم انّی اُحرّج حقّ الضعیفین الیتیم والمراۃ](سنن نسائیؒ:2376 مع تحسینِ البانیؒ۔ سنن ابن ماجہؒ:3678۔ مسند احمدؒ:9664)

(3)مسلم ذرائع ابلاغ کی بے اعتنائی:

سیکولر ذرائع ابلاغ کا تو یہاں تذکرہ لاحاصل ہے، لیکن خواتین کے حقوق کی وضاحت کے سلسلے میں دینی رسائل وجرائد اور مذہبی ٹی وی چینلوں کا رول بھی خاصا جانبدار اور مختصر دکھائی پڑتا ہے۔ دراصل صورتِ مسئلہ میں بڑی دشواری اس بات سے بھی آئی ہے کہ آزادیٔ نسواں کے نام نہاد علم برداروں نے اسلام کا نام لے کر حقوقِ نسواں کی آڑ میں افراط وتفریط پر مبنی تصورات اور اباحیت زدہ رویوں کو رواج دینے کی کوشش کی ہے اور کررہے ہیں۔ چنانچہ آزادیٔ نسواں کے نام پر بے قید آزادروی کو امت کے اجتماعی ضمیر نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے ردِعمل میں مسلم ملت کے دیندار وتحفظ پسند طبقے میں ایک قسم کا مخالفانہ تعصب سا پیدا ہوگیا اور اس کے نتیجے میں مسلم خواتین کے شرعی حقوق واختیارات کی عملی تنفیذ کا داعی، اعتدال وتوسط کا حامل کوئی بھی رویہ مسلمانوں میں قبولِ عام نہیں پاسکا۔ اس صورتِ حال کے سلسلے میں موجودہ مسلم ذرائع ابلاغ میں بھی بے رخی بظاہر موجود ہے۔ دورِ حاضر کے مختلف ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کو صنفِ نازک کے احترام اور اس کے جائز شرعی حقوق کی ادائیگی پر ابھاریں۔ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان خواتین کو ان کے شرعی ودستوری حقوق وواجبات سے روشناس کرائیں اور حق تلفی ہونے پر دوبارہ ان کے حصول کے طریقوں کی طرف رہنمائی فراہم کریں۔

(4) مستقبل سے خوف اور حالات سے سمجھوتا کرنے کا رجحان:

بہت سی خواتین کو شرعی احکام سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ مستقبل کے اندیشے شرعی دارلقضاء سے استفادہ کرنے سے باز رکھتے ہیں۔ ایسی عورتیں ہر ظلم وستم کو اپنے بچوں کی خاطر سہار لیتی ہیں۔ یہاں بھی شرعی لاعلمی ان کی حالتِ زار کا سبب بنتی ہے کیونکہ اگران بیچاریوں کو اولاد کی کفالت کے صحیح اسلامی حکم سے واقفیت ہوتی تو شاید ان کا ردِ عمل کچھ اور ہوتا۔

: عورتوں کا عدالت سے مراجعہ کو معیوب سمجھنا (5)

عام طور پر خواتین کا عدالتوں کے چکر کاٹنا شرافت سے فروتر خیال کیا جاتا ہے۔ لادینی عدالتوں کے متعلق یہ خیال مبنی بر حقیقت ہو سکتا ہے، لیکن شرعی دارالقضاء کو اس دائرہ میں لانا درست نہیں۔ شرعی عدالتوں کا دائرۂ کار صرف اس پر موقوف نہیں کہ مطلوبہ احکامِ شرعیہ کو بیان کر دیا جائے اور خانگی مسائل ومشکلات کا اسلامی نہج پر تصفیہ کر دیا جائے، بلکہ شرعی قضات کی منصبی ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر طلبگار کی اصلاح ورہنمائی کی فکر کریں اور اس کو خیر خواہانہ مشوروں سے نوازیں۔ عورت ہر طرف سے مایوس ہو کر اگر عدالت سے رجوع کرتی ہے تو یہ فی نفسہ کوئی غلط اقدام نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی خاتون اپنے بداخلاق شوہر کی بدسلوکی کی شکایت لے کر دارالقضاء آتی ہے تو لازمی نہیں کہ وہ اُس سے اِس درجہ متنفر ہو کہ علیحدگی سے کم پر راضی نہ ہو سکے، بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ اس کے حال کی اصلاح اور دینی رہنمائی کی طالب ہو۔ اسی طرح اگر لڑکی کے باپ بھائی وغیرہ اس کو ناپسندیدہ رشتے پر مجبور کرتے ہوں یا اس کی شادی میں بیجا تاخیر کر رہے ہوں تو وہ شرعی دارالقضاء سے رجوع کر سکتی ہے۔ ایسی صورتوں میں قضات کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ متعلقہ اولیاء کو راست روی کی تلقین کرتے ہوئے احکامِ شرعیہ کا نفاذ کرائیں۔

لہٰذا عورت کا اپنے جائز حق کے حصول یا اپنے اولیاء کی دینی اصلاح کی خاطر شرعی عدالتوں سے مراجعہ کرنا معیوب نہیں ہے، بلکہ برائی اس بات میں ہے کہ ظالم کے ظلم کو بڑھاوا دیتے ہوئے اپنے حق سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ (جاری)